DR. ZAKIR HUSAIN LIBRARY
JAMIA NAGAR
NEW DELHI-110025

سفرنامہ پاکستان

اسلام اور سوشلزم

(۹)

سعید احمد اکبرآبادی

ہمدرد منزل میں طعام شب

سنا تھا حکیم عبدالحمید صاحب جلد ہی دہلی واپس جا رہے ہیں اس لئے شام کو مغرب کے بعد میں مسعودہ اور مونا ہمدرد منزل پہونچے، وہاں دونوں بھائی حکیم عبدالحمید صاحب و حکیم محمد سعید صاحب موجود تھے، ان سے گفتگو رہی کچھ دیر کے بعد چند حضرات آگے پیچھے پہونچنے شروع ہوئے، معلوم ہوا کہ دعوت تھی، حکیم صاحب کے کہنے پر ہم تینوں بھی (مسعودہ زنانخانہ میں) شریک طعام ہو گئے، یہاں بعض احباب سے ملاقات ہوئی، جسٹس قدیرالدین احمد اور جناب خالد اسحق صاحب ایڈوکیٹ بھی ملے۔

خالد اسحاق صاحب ایڈوکیٹ

خالد اسحق صاحب بڑے علمی اور خوش ذوق آدمی ہیں، ان کا ذاتی کتب خانہ قابل دید ہے جس کو یہ بڑے اہتمام سے رکھتے ہیں ۱۹۶۹ء میں جب میں کراچی آیا تھا تو انھوں نے ایک دن اپنے ہاں مجلس مذاکرہ منعقد کی تھی جس میں میرے علاوہ ڈاکٹر فضل الرحمٰن (سابق ڈائرکٹر اسلامک انسٹیٹیوٹ اسلام آباد) لفٹننٹ کرنل خواجہ عبدالرشید، پروفیسر ایوب قادری اور چند اور ارباب علم شریک ہوئے تھے۔ مذاکرہ خالص علمی اور اسلامی مسائل پر تھا۔

اس سے فراغت کے بعد نہایت پر تکلف لنچ ہوا اس موقع پر انھوں نے اپنے کتب خانہ کی بھی سیر کرائی تھی۔ اسلامیات پر عربی، فارسی، اردو اور انگریزی کتابوں کا بڑا اچھا اور وسیع ذخیرہ ہے جو کوٹھی کے بڑے بڑے کمروں میں بڑے سلیقہ اور ترتیب سے الماریوں کے اندر رکھی ہوئی ہیں اور ایک لائبریرین اون کے لئے مقرر ہے، کراچی اور لاہور اور اسلام آباد میں یہ دیکھکر بڑی خوشی ہوئی کہ وہاں ارباب علم کو ذاتی کتب خانہ رکھنے کا شوق عام ہے اور علمی ذوق وہاں گورنمنٹ کے اعلیٰ افسروں میں بھی ہے اون کے بھی اپنے ذاتی کتب خانے ہیں۔ خالد اسحٰق صاحب کا کتب خانہ ذاتی کتب خانوں میں نمایاں حیثیت رکھتا ہے اور خود بھی انگریزی زبان کے بڑے اچھے مصنف ہیں، اسلامی قانون اور اوس کے مسائل پر اون کے مقالات اور کتابیں پڑھنے کے لائق ہیں، اب ہمدرد منزل میں اون سے دوبارہ ملاقات ہوئی تو بہت خوش ہوئے اور دوسرے دن کے لئے شام کی چائے پر مدعو کردیا مگر عنوان وہی کہ کتب خانہ دیکھئے۔

حکیم عبدالحمید صاحب اور حکیم محمد سعید صاحب کو بھی مدعو کیا تھا، چنانچہ ہم تینوں وقتِ مقررہ پر اون کے ہاں پہونچ گئے اور میں نے اون کے کتب خانہ کی دوبارہ زیارت کی ہر مصنف کو اپنی کتابیں کسی کے کتب خانہ میں دیکھکر خوشی ہوتی ہے وہ مجھے بھی ہوئی اور خدا کا شکر ہے یہ خوشی یہاں کیا امریکہ اور یورپ کی اسلامیات کی لائبریریوں کو دیکھکر بھی اکثر ہوئی ہے، خالد اسحٰق صاحب نے حال ہی میں اسلامی قانون اور عصر جدید پر ایک ضخیم اور دقیع کتاب انگریزی میں لکھی ہے، مگر یہ چھپی نہیں ہے، اوس کی ٹائپ شدہ کاپیاں بہت ساری تھیں، ایک کاپی انھوں نے مجھکو بھی دی، دوسری تحفہ میں ملی ہوئی انگریزی کی کتابوں کے ساتھ مولانا نے یہ کتاب بھی مجھسے یہ کہکر لے لی کہ انہیں میں پڑھوں گا، مسودہ پڑھینگی اور پھر آپ کی تواسلی ڈ

نواسوں کے کام آئینگی۔

طلبا اور طالبات کا دوسرا وفد

دوسرے دن صبح کو ناشتہ سے فارغ ہو کر بیٹھا ہی تھا کہ چار نوجوان طلبا کا ایک وفد ملاقات کے لئے آگیا مجھکو نوجوانوں سے ملکر اور ان سے بات چیت کرکے ہمیشہ خوشی ہوتی ہے میں نے ان کو خوش آمدید کہا۔ انھوں نے میری خیریت دریافت کی اور میں نے ان کے تعلیمی حالات دریافت کئے، ابھی یہ گفتگو ہو ہی رہی تھی کہ دروازہ کی گھنٹی بجی، دروازہ کھولکر دیکھا تو دو لڑکیاں کھڑی تھیں معلوم ہوا وہ بھی مجھسے ملنے آئی ہیں میں نے ان کو بھی خوش آمدید کہا اور صوفہ پر اپنے پاس بیٹھا لیا، میرے دریافت حال کرنے پر ایک لڑکی نے کہا: ۱۹۶۹ء میں جب آپ کراچی آئے تھے اور آپ نے سرسید گرلز کالج میں: کالج کے بانی سید الطاف حسین صاحب بریلوی کی صدارت میں کالج کی ایک ہزار لڑکیوں اور اسٹاف کو "اسلام میں عورتوں کے حقوق و فرائض" کے موضوع پر ڈیڑھ گھنٹہ تک خطاب کیا تھا تو اس زمانہ میں ہم دونوں کالج کی طالبات تھیں اور آپکی تقریر میں شریک تھیں۔ ایک وقفہ کے بعد پھر کہا۔ ہم دونوں اس وقت بھی موجود تھے جب آپ تقریر کے بعد پرنسپل کے آفس میں آئے اور یہاں لڑکیوں کا ایک ہجوم آپ کا آٹوگراف لینے کے شوق میں دفتر میں آدھمکا تو پرنسپل صاحبہ نے بگڑ کر کہا۔ آپ لوگ بھی غضب کرتی ہیں۔ ابھی تقریر کرکے آئے ہیں، اسٹاف کے ساتھ چائے بھی نہیں پی۔ پھر یہاں سے ایک کالج پر جانا اور جمعہ کی نماز بھی پڑھنا ہے، آپ سب کو آٹوگراف کیسے دے سکتے ہیں۔ اس پر لڑکیوں کی دلجوئی کے خیال سے آپ نے فوراً لڑکیوں سے کہا: آپ سب اپنی کاپیاں مجھکو دیدیجئے میں انھیں اپنے ساتھ کار میں لیجاؤں گا۔ اور شب میں کسی وقت آٹوگراف لکھکر کل صبح پرنسپل آفس میں بھیجدوں گا۔ لڑکیاں خوش ہوگئیں اور آپ نے یہی کیا، اب دوسری لڑکی بولی اس روز آپ کی تقریر واقعی بڑی دلچسپ اور معلومات افزا تھی، پھر تقریر کے

بعد آپ نے لڑکیوں کے سوالات کے جوابات اپنے جس خاص انداز میں برجستہ دیئے وہ بہت پرلطف تھے۔ میں نے کہا: اگر آپ کو کچھ یاد ہوں تو سنائیے۔ لڑکی نے تھوڑی دیر سر جھکا کر سوچا اور پھر بولیں: ہاں یاد آیا ایک لڑکی نے تعدد ازدواج کی نسبت سوال کیا۔ تو آپ نے تڑپ کر کہا: "ابھی آپ کی عمر یہ سوال کرنے کی نہیں ہے" اس پر پورا ہال قہقہہ سے گونج اٹھا ایک طالبہ نے پوچھا۔ کیا اسلام میں عورتیں مردوں کے برابر نہیں ہیں۔ آپ نے جواب دیا۔ جی ہاں! نہیں ہیں۔ مگر آپ کو اس کا غم کیا؟ کیونکہ اس کے معنی یہ بھی تو ہیں کہ مرد عورتوں کے برابر نہیں ہیں۔" ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر ست قہقہہ، کسی نے پوچھا۔ کیا اسلام میں ایک عورت صدر حکومت یا وزیر اعظم بن سکتی ہے؟ آپ نے جواب دیا: جہانگیر ہندوستان پر حکومت کرتا تھا، اللہ تعالیٰ نے عورت کو اس لئے بنایا ہے کہ وہ نور جہاں ہو کر جہانگیر کے دل پر حکمرانی کرے۔ اب آپ سوچئے کہ مرتبہ جہانگیر کا اونچا ہے یا نورجہاں کا؟

سوشلزم اتنے میں چائے آگئی، میں نے کہا: خیر! یہ تو ہنسی مذاق کی بات تھی، آپ سب چائے پی لیجئے، پھر سنجیدہ گفتگو ہوگی۔ جب چائے سے فراغت ہوگئی تو اب میں طلبا کی طرف متوجہ ہوا۔ ایک نوجوان نے جو سوشیالوجی کے طالب علم تھے کہا کہ آج کل ہمارے ملک میں سوشلزم کا بہت زور ہے۔ ایک طبقہ جو ترقی پسند کہلاتا ہے سوشلزم کا سرگرم حامی ہے اور اس کا پروپیگنڈہ کر رہا ہے، لیکن دوسرا طبقہ جو مذہبی یا رجعت پسند کہلاتا ہے وہ سوشلزم کا سخت مخالف ہے اور دونوں میں بحث و مباحثہ کا میدان گرم ہے ہم آپ سے پوچھنا چاہتے ہیں کہ اس بارے میں آپ کا کیا خیال ہے۔

میں نے جواب دیا۔ آج کل سوشلزم کا غلغلہ صرف پاکستان میں نہیں، بلکہ ایشیا اور افریقہ کے تمام غیر ترقی یافتہ یا نیم ترقی یافتہ ممالک میں اور یورپ کے بعض ممالک

میں بھی بلند ہے، ہندوستان نے اس کو اپنا نصب العین بنا لیا ہے اور متعدد عرب ممالک بھی اس کی لپیٹ میں آگئے ہیں، اس بنا پر یہ کسی خاص ایک ملک کا نہیں بلکہ عالمگیر مسئلہ ہے اور ہم کو اسی حیثیت سے اس پر غور کرنا چاہئے۔

سوشلزم نے اگرچہ کمونزم کے بطن سے جنم لیا ہے لیکن اب جوان ہو کر اس کی ایک مستقل حیثیت ہو گئی ہے۔ چنانچہ اب دونوں میں عام خاص کی نسبت ہے یعنی ہر کمونسٹ سوشلسٹ ضرور ہوگا۔ لیکن ہر سوشلسٹ کے لئے کمونسٹ ہونا ضروری نہیں ہے، دنیا کی ہر تحریک کا قاعدہ ہے جس سے اسلام بھی مستثنیٰ نہیں ہے، کہ وہ جس سوسائٹی اور جس ماحول میں پیدا ہوتی ہے اوس کے ایک خاص معنی اور مفہوم ہوتے ہیں اور اسی معنی اور مفہوم کے مطابق اوس کے اطلاقات اور عملی تشکیلات ہوتے ہیں، لیکن جب وہ تحریک آگے بڑھتی ہے اور سوسائٹی کے سماجی اور اقتصادی حالات وظروف میں تغیر و تبدل ہوتا ہے یا اوس تحریک کو سابقہ دوسری قوموں اور جماعتوں سے پیش آتا ہے جو اپنا مخصوص کلچر اور تہذیب وتمدنی رکھتی ہیں، تو اب اگرچہ اوس تحریک کا بنیادی ڈھانچہ نہیں بدلتا، لیکن جزوی اور فروعی اعتبار سے اوس میں نئے نئے برگ و بار پیدا ہونے شروع ہو جاتے ہیں۔ اطلاقات اور تشریحات نو بنو ہونے لگتی ہیں، اسی سے علوم و فنون پیدا ہوتے ہیں اور وہ تحریک جو ابتدا میں سادہ اور ایک وحدت تھی وہ شاخ در شاخ ہوتی چلی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ کبھی ایک ایسا وقت بھی آتا ہے جب کہ

"شد پریشاں خواب من از کثرت تعبیرہا"

کا مصرعہ اوس پر صادق آنے لگتا ہے۔

سوشلزم کے ساتھ بھی یہی معاملہ پیش آیا۔ چنانچہ اوس کی ابتدا سے اب تک خود روس میں جہاں یہ پیدا ہوا، اور دوسری قوموں اور ملکوں میں جہاں یہ پہونچا

اس کے مفہوم ومعنی اور اوس کی تشریح و توضیح میں بڑا تغیر و تبدل ہوتا رہا اور شاخ در شاخ اوس کی قسمیں نکلتی رہی ہیں، لیکن اس کا بنیادی تصور اور مقصد نہیں بدلا اور وہ یہ تھا کہ دولت کی پیداوار اور اوس کے ذرائع و وسائل کا استعمال اس طرح کیا جائے کہ وہ کسی خاص طبقہ یا چند افراد کی اجارہ داری نہ ہوں بلکہ اون کا فائدہ ہر فردِ انسانی کو پہونچے تاکہ غریبی دور ہو اور کوئی شخص زندگی کے ضروری لوازم اور اوس کے ساز و سامان سے محروم نہ رہے۔

سوشلزم درحقیقت ایک سخت ردعمل تھا اوس جاگیرداری، سرمایہ داری اور استحصال پسندی کے خلاف جس کا چلن مشرق و مغرب میں ہر جگہ تھا اس بنا پر انسان انسان کے درمیان طبقاتیت کی آہنی دیواریں حائل تھیں، ایک طبقہ امیر اور خوش حال کہلاتا اور دوسرا طبقہ غریب اور تنگدست ہوتا تھا۔ پہلا طبقہ چند خاص افراد پر مشتمل ہوتا تھا۔ باقی ملک کی اکثریت غریب اور مفلوک الحال ہوتی تھی، دولت اور اس کے ذرائع و وسائل یعنی زراعت و فلاحت، صنعت و حرفت اور تجارت و کاروبار وغیرہ سب کچھ اسی اقلیت کے قبضہ و تصرف میں ہوتے تھے اور اسے پورا اختیار تھا کہ وہ ان کا استعمال اور صرف جس طرح چاہئے کرے، کوئی کسی قسم کی روک ٹوک نہ تھی۔ دوسرا طبقہ جو طبقۂ عوام کہلاتا تھا پہلے طبقہ کی خدمت کرکے یا اور کوئی معمولی ذریعہ معاش اختیار کرکے گذر بسر کرتا تھا۔

طرز رہائش اور معیارِ زندگی کے اعتبار سے امیر و غریب طبقوں میں زمین و آسمان کا فرق تھا، ایک کے پاس عیاشی و عشرت کوشی، نام و نمود اور طمطراق کے سب سامان موجود تھے، اور دوسرا عسرت اور تنگدستی کا شکار رہتا تھا وہاں ناچ رنگ عیش و ہوس پرستی، شادی بیاہ ہو یا بچہ کی پیدائش، عقیقہ یا بسم اللہ اور آمین، کوئی بہانہ ملنا چاہئے۔ پھر ہزاروں لاکھوں کے وارے

نیارے اوراون کی ریل پیل اس کے بالمقابل عظیم ترین اکثریت تھی، جن کے پاس نہ ڈھنگ کے مکانات تھے، نہ قرینہ کا لباس تھا، نان شبینہ کو محتاج رہتے تھے بچے ہیں مگر تعلیم سے محروم، بیمار پڑ گئے تو دوا دارو کا خاطرخواہ انتظام نہیں لڑکیاں جوان ہوگئی ہیں مگر اون کے ہاتھ پیلے کیسے ہوں؟ ماں باپ روز و شب اسی فکر میں گھلے جاتے ہیں - ان دونوں طبقوں کے درمیان اقتصادی اور سماجی اعتبار سے جب اتنا بڑا فرق تھا تو اوس کا اثر ان دونوں کے اخلاق وعادات پر پڑنا لازمی تھا. چنانچہ آپ تاریخ اٹھا کر دیکھ لیجئے، آپ کو معلوم ہو جائیگا کہ سرمایہ دار طبقہ کس قسم کے بھیانک انسانیت سوز اور ناشائستہ اعمال و افعال کا ارتکاب کرتا تھا اور اخلاقی زوال و انحطاط کے کس ؟ عظیم میں گھرا ہوا تھا. دوسری طرف غریبی ہزار بیماریوں کی ایک بیماری ہے. اوس کے ساتھ اگر جہالت بھی جمع ہو جائے تو اخلاقی گراوٹ کا کوئی حد وحساب ہی نہیں رہتا، چنانچہ یہاں بھی ایسا ہی ہوا۔ امیر مال مست تھے اور غریب کھال مست، اس صورت حال کے بنیادی اسباب وعوامل اگرچہ اقتصادی اور معاشی تھے، لیکن قانون فطرت کے مطابق مذہب اور معاشرت دونوں اس کی زد میں آ گئے، چنانچہ اٹھارویں اور انیسویں صدی کی تاریخ کا مطالعہ کیجئے، آپ کو معلوم ہوگا کہ مغرب میں عیسائیت اور مشرق میں اسلام دونوں توہم پرستی، مظاہر پرستی، ریاکاری اور اباطیل و خرافات کا شکار ہوگئے، عورت، مردوں کا ایک سامان تفریح اور جنسی خواہش کا ذریعہ تسکین ہو کر رہ گئی، اوس کا اصل مرتبہ و مقام اوس سے چھین لیا گیا۔ لہو ولعب سیر و تفریح اور وقت گذاری کے لئے نئے نئے سامان ایجاد ہوئے اور اون میں طرح طرح کی جدتیں پیدا ہوئیں، غرض کہ مشرق و مغرب "تن ہمہ داغ داغ شد پنبہ کجا کجا نہم" کا مصداق ہوگیا۔

اعتراض میں یہیں تک کہہ پایا تھا کہ ایک نوجوان طالب علم جو صورت شکل سے اون سب میں زیادہ ذہین اور سنجیدہ معلوم ہوتا تھا اوس نے کہا: مگر اس دور میں بھی سرمایہ داروں اور جاگیرداروں نے رفاہ عام اور خلق خدا کی خدمت کے بڑے بڑے کام کئے ہیں اور اون کی سرپرستی میں علوم و فنون، شعر و ادب اور آرٹ نے بڑی ترقی کی ہے مشرق و مغرب میں اب بھی اون کے کارناموں کے آثار اور اون کی یادگاریں موجود ہیں اور وہ ہماری گذشتہ تاریخ کا ایک قابل فخر سرمایہ ہیں۔ میاں صاحبزادہ نے یہ سوال کیا تو ایک صاحبزادی کو بے اختیار ہنسی آگئی، میں نے پوچھا: تم کیوں ہنسیں ؟ بولیں: کوئی بات نہیں! یونہی ہنس پڑی تھی۔ معاف کیجئے! میں نے کہا: اب میں آگے چلونگا ہی نہیں جب تک تم ہنسی کی وجہ نہ بتاؤگی" کہنے لگیں در اصل سوال میں کرنے والی تھی یہ سوچکر ہنسی آگئی، میں نے کہا: اچھا خیر۔ اب سنئے

جواب ہاں! اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اس زمانہ میں بھی بڑے بڑے کام ہوئے ہیں، بادشاہوں، سرمایہ داروں اور جاگیرداروں نے عظیم الشان مسجدیں، مندر اور گرجا بنائے ہیں، عظیم الشان تعمیرات، مقبرے، باغ اور باغات، میوزیم یونیورسٹیاں اور مدارس، لائبریریاں، مارکیٹ، آرٹ گیلریاں، سڑکیں، اور پل وغیرہ تعمیر کئے اور بنائے ہیں۔ اور ان کی زیر سرپرستی بڑے بڑے علماء، فضلا۔ ادبا شعرا اور مختلف قسم کے ارباب فن۔ صناع اور کاریگر چھائے ہوئے ہیں، لیکن یہ جو کچھ تھا ان حضرات کی ذاتی اور شخصی نیکی، جذبۂ خیر، اور اون کے انفرادی میلانات و رجحانات کا نتیجہ تھا۔ اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ حضرات اوس زمانہ کی سوسائٹی کے بہترین اور صالح افراد تھے، لیکن سوال نظام کا ہے، اوس زمانہ میں جو نظام قائم تھا وہ افراط زر اور ایک مخصوص طبقہ میں دولت کے سمٹ کر رہ جانے سے مانع نہیں تھا۔ اس بنا پر ایک شخص کو پوری آزادی تھی کہ اگر وہ چاہے تو خوب دولت لے

سے بے روک ٹوک عیاشی کرے اور عوام کی زندگی کو بہتر بنانے اور ان کے معیارِ حیات کو اونچا کرنے کے لئے کچھ نہ کرے، اور اکثریت ایسے ہی لوگوں کی تھی، چنانچہ خیر خیرات اور رفاہ عام کے سینکڑوں کاموں کے باوجود امیر طبقہ اور طبقۂ عوام میں ایک دیوار برابر حائل رہی۔ ملک میں غریبی کا دور دورہ رہا۔ عوام کا معیار زندگی اونچا نہیں ہوا، اور ملک میں صنعت و حرفت زراعت و فلاحت اور تجارت و کاروبار میں اس نہج پر ترقی نہیں ہوئی کہ اوس میں عوام کا بھی حصہ ہوتا۔ یہی نہیں، بلکہ سرمایہ داری کی تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ سرمایہ داروں نے جان بوجھکر اس بات کی کوشش کی ہے کہ عوام کا معیار زندگی اونچا نہ ہو، چنانچہ جب کبھی پیداوار میں افراط ہوئی اوس کو انھوں نے ضائع کر دیا اور اسے بازار میں اس لئے نہیں آنے دیا کہ اشیا کی قیمتیں کم نہ ہو جائیں، اس کے معنی یہ ہیں کہ ان کے سرمایہ سے عوام کو کچھ فائدہ پہونچا تو، لیکن صرف اس طرح کہ گویا وہ غریبوں کی پرورش کر رہے ہوں اور بس! نہ یہ کہ انھوں نے اپنی دولت میں اپنی آل اولاد کی طرح غریبوں کا حق اور ان کا واجبی حصہ بھی تسلیم کیا ہو! بہرحال بعض سرمایہ داروں اور جاگیرداروں نے ذاتی اور شخصی حیثیت میں خواہ کتنے اور کیسے ہی اچھے اور مفید کام کئے ہوں، اس نظام کو لامحالہ ختم کرنا ضروری تھا۔ اس کی مثال بالکل ایسی ہے کہ گذشتہ زمانہ کے بادشاہوں اور ملوک وسلاطین میں بہت سے لوگوں نے عظیم الشان اور مفید کارنامے انجام دیئے، لیکن یہ لوگ جس نظامِ حکومت کی پیداوار تھے، یعنی ملوکیت، ڈکٹیٹرشپ، اور خاندانی حکومت دنیا نے اوس کو پسند نہیں کیا اور اوس کی جگہ جمہوری نظام مملکت قائم کر لیا۔

سوشلزم اور جمہوریت دونوں میں چولی دامن کا ساتھ ہے۔ ایک کے بغیر دوسرے کا تصور مکمل ہوتا ہی نہیں ہے، لیکن جب سرمایہ داروں اور جاگیرداروں کی طرف سے اوس کی مخالفت شدید ہو تو سوسلزم کے اصول اور اوس کے مقتضیات

فساد برپا کرنے کے لئے حکومت کو تشدد کی پالیسی بھی اختیار کرنی ہوتی ہے، اب یہ دیکھئے کہ جن ملکوں نے سوشلزم کا تجربہ کیا ہے وہاں کیا نتائج پیدا ہوئے اور سوشلزم اپنے مقصد میں کس حد تک کامیاب ہوا؟ ظاہر ہے اس کی سب سے بڑی تجربہ گاہ روس ہے۔ میں خود روس ہو آیا ہوں، میں نے اس ملک کے مختلف شہروں کا دورہ کیا، اور دیہات بھی دیکھے، کارخانوں، فیکٹریوں اور ان کے عظیم الشان فارموں کو بھی دیکھا، کوچوں میں پھر کر عوام کے رہن سہن کا طریقہ اور ان کے گھروں کا بھی معائنہ کیا، میرا تاثر یہ ہے، اگرچہ بڑے چھوٹے کا فرق ختم نہیں ہوا ہے اور نہ یہ ختم ہو سکتا ہے۔ کیونکہ یہ قانونِ فطرت کے خلاف ہے، لیکن اس میں شبہ نہیں کہ اس ملک میں روٹی کپڑے کا سوال ختم ہو گیا ہے عوام کا معیار زندگی اونچا ہوا ہے، طبقاتیت کی دیوار گر گئی ہے، فقر و فاقہ کا نام و نشان باقی نہیں رہا، تعلیم اور اس کی سہولتیں عام ہیں، ہر بالغ مرد اور عورت کے لئے کام کرنا ضروری ہے، بڑھاپے میں پنشن ملتی ہے، جوان ہو کر بھی اگر کسی کو روزگار نہ ملے تو بیکاری الاؤنس ملتا ہے، اب وہاں کوئی ننگا بھوکا اور گداگر نظر نہیں آتا۔ اخلاقی اعتبار سے امریکہ اور یورپ کے بالمقابل روس کی حالت کہیں زیادہ بہتر ہے، عریاں فلم اور برہنہ رقص قانوناً ممنوع ہے، بے حیائی اور بیشرمی کے مناظر وہاں یورپ اور امریکہ کی طرح کہیں نظر نہیں آتے۔

اسلام کی تعلیمات | اب آیئے یہ دیکھیں کہ اس سلسلہ میں اسلام کی تعلیمات، نصوصِ قرآنیہ اسوۂ نبوی اور صحابۂ کرام کا تعامل کیا ہے؟ اگر آپ ان کا مطالعہ کریں تو آپ کو صاف نظر آئے گا کہ سوشلزم کی اسپرٹ اور اس کا بنیادی مقصد اسلام کی تعلیمات کے ساتھ ہم آہنگ ہیں، میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں جو عصرِ حاضر کے کسی نظریہ یا کسی تحریک کے ساتھ اسلام کی مطابقت کی کوشش کرتے ہیں اور اسلام کو اس پیمانہ سے ناپتے ہیں، میرے نزدیک کوئی چیز قدیم ہو یا جدید اس کے حسن و قبح کا واحد معیار اسلام کی تعلیمات اور اسوۂ نبوی ہیں

جو چیز کلاً یا جزاً اس کسوٹی پر پوری اترے گی میں اسے قبول کرلوں گا، ورنہ اسے رد کردونگا
سلام کی تعلیمات اس سلسلہ میں کیا ہیں؟ ملاحظہ کیجئے۔

یمین اور اس کے فوائد اور وسائلِ معیشت سب کے لئے عام ہیں	اسلام کا بنیادی نظریہ جو ہر مسلمان کا عقیدہ ہونا چاہئے یہ ہے کہ کائناتِ عالم کی ہر چیز کا مالکِ حقیقی اللہ اور صرف اللہ ہے، یہانتک کہ ہماری زندگی اور جان و مال کا مالک بھی وہی ہے۔ ہمیں جو چیزیں

ی گئی ہیں وہ ہماری منفعت کے لئے بطور امانت عاریۃً دی گئی ہیں، اس لئے ہم ان چیزوں سے تمتع اور اون کے صرف میں آزاد نہیں ہیں، بلکہ اس بات کے پابند ہیں کہ اون سے تمتع ور اون کے صرف میں احکام و مرضیات خداوندی کی تعمیل اور اون کی بجاآوری کریں، اسلام ں خودکشی اور اپنی جان کو ہلاکت میں ڈالنا اسی لئے ممنوع اور حرام ہے، پھر یہ امانت و قسم کی ہے۔ ایک امانت خاصہ جو اشخاص و افراد کو انفرادی اور شخصی طور پر دی گئی ہے جیسے زندگی، جان اور آل و اولاد، اور دوسری قسم ہے امانت عامہ یعنی جو سب کیلئے ہے اور جس کی حیثیت شخصی نہیں بلکہ قومی اور اجتماعی ہے، زمین، اوس کے فوائد اور وس کے وسائلِ معیشت اس دوسری قسم میں داخل ہیں۔ چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد ہوا

الارض وضعها للانام ٥ فيها فاكهةٌ والنخلُ ذاتُ الاكمام ٥ والحبُّ ذو العصفِ والريحان ٥ (الرحمٰن)	اور خدا نے زمین خلقت کے فائدہ کے لئے بنائی ہے کہ اس میں میوے ہیں، اور کھجور کے درخت ہیں، جن پر قدرتی غلاف چڑھے ہوئے ہیں، اور اس میں طرح طرح کے اناج ہیں جو دہوسی کے اخول میں ہوتے ہیں اور اس میں خوشبودار پھول ہیں۔

یک اور موقع پر فرمایا گیا:۔

ثم شققنا الارض شقاً ٥ فانبتنا	پھر ہم نے زمین کو پھاڑا اور اوس میں غلہ

فیھا حباً ۝ وعنباً وقضباً ۝ وزیتوناً ونخلاً ۝ وحدائق غلباً ۝ وفاکھۃ واباً ۝ متاعاً لکم ولانعامکم ۝ (سورۂ عبس)	اناج، انگور، ترکاریاں، زیتون، کھجوریں گھنے گھنے باغ، میوے اور چارا، یہ سب چیزیں اگائیں تاکہ تم کو اور تمہارے چوپایوں کو فائدہ پہونچے۔

زمین کی ملکیت | انھیں اور ان جیسی دوسری آیتوں کے پیش نظر بعض علما اس بات کے قائل ہیں کہ زمین کی ملکیت یعنی "زمینداری" اسلام میں جائز نہیں ہے، چنانچہ ایک زمانہ میں "معارف" اعظم گڈھ کے صفحات پر کئی مہینے تک اسی موضوع پر مولانا سید مناظر احسن گیلانی اور مولانا ظفر احمد تھانوی رحمۃ اللہ علیہما کے درمیان ایک مفید اور علمی بحث چلتی رہی تھی۔ لیکن میرے نزدیک اس بحث کی حقیقت نزاع لفظی سے زیادہ نہ تھی، کیونکہ جو حضرات ملکیت ارضی کے قائل ہیں وہ بھی اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ اگر کوئی شخص زمین کا مالک ہے بھی تو وہ زمین اوس کے قبضہ میں مفاد عامہ کے لئے بہ طور ایک امانت کے ہے اور اوس کی حیثیت گویا اللہ تعالیٰ کی نسبت سے وہی ہے جو اوس کسان کی ہوتی ہے جس کو زمین لگان پر دے دی گئی ہو۔ چنانچہ اگر کوئی شخص اپنی زمین میں کاشت نہ کرے اور اوس کو بے کار یونہی ڈالے رکھے تو اسلام اسٹیٹ کو یہ حق دیتا ہے کہ اس زمین کو اوس شخص سے چھین کر کسی دوسرے شخص کو دیدے، حضرت عمر فاروق سے اس قسم کے متعدد واقعات مروی ہیں اور قاضی ابو یوسف نے کتاب الخراج میں اون کا ذکر کیا ہے۔

دولت و ثروت | جو حال زمین کا وہی دولت و ثروت کا ہے، یعنی ایک شخص کے ہاتھ میں وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک امانت عامہ ہے، اسلام میں بعض دوسرے مذاہب کی طرح دولت کو شر اور گناہ نہیں کہا گیا، بلکہ اسے خیر اور اللہ کی نعمت کہا گیا ہے، "انہ لحب الخیر لشدید" اس کو کسب حلال اور جائز طریقوں سے حاصل کرنے

ترغیب اور بعض مواقع پر حکم دیا گیا ہے اور اوس کے لئے کوئی حد مقرر نہیں کی گئی، لیکن اس کے باوجود سرمایہ داری (Capitalism) کا راستہ بالکل بند کر دیا ہے، افراط زر، دولت کا چند لوگوں میں دائر سائر رہنا۔ اور جمع مال وزر یہی تین وہ دروازے ہیں جن کے ذریعہ سرمایہ داری کسی قوم کی معیشت کے جسم میں جراثیم بنکر داخل ہوتی ہے، اسلام نے ان دروازوں پر ممانعت اور زجر و توبیخ کے پہرے بیٹھا دیئے ہیں

افراط زر کی نسبت فرمایا گیا:

أَلْهَاكُمُ التَّكَاثُرُ ۝ حَتَّىٰ زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ۝ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُونَ ۝ ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُونَ ۝

تم کو افراط زر نے راہ سے بے راہ کر دیا ہے (اچھا! یہ اوس وقت تک کی بات ہے) جب تک تم مر نہیں جاتے، جب تم مر جاؤ نگے تو پھر تم ساری حقیقت جان جاؤ گے۔

جمع زر کی نسبت ارشاد ہوا:۔

وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ ۝ الَّذِي جَمَعَ مَالًا وَعَدَّدَهُ ۝ يَحْسَبُ أَنَّ مَالَهُ أَخْلَدَهُ ۝ كَلَّا لَيُنبَذَنَّ فِي الْحُطَمَةِ ۝

ہلاکت اور تباہی ہے اون، تمام عیب چینوں اور دوسروں پر پھبتی کسنے والوں (سرمایہ داروں کی خاص عادتیں) پر جو مال کو جمع کرتے اور اس کا شمار کرتے رہتے ہیں، یہ لوگ خیال کرتے ہیں کہ اون کی دولت انہیں زندہ جاوید بنادیگی! خبردار ہشیار! یہ سب لوگ دوزخ میں پھینکدیئے جائینگے۔

ایک اور مقام پر ڈرایا اور دھمکایا گیا:۔ (طویل آیت کا اول و آخر)

والَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ ... فَتُكْوَىٰ بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوبُهُمْ

اور جو لوگ سونا، چاندی سینت سینت کر رکھتے ہیں آخرت میں انہیں کے اندوختہ

سے اون کی پیشانیوں اور ان کے پہلووں
کو داغا جائیگا ۔

چند افراد کے اندر دولت کے دائر سائر ہونے (Concantration of wealth) کے متعلق ارشاد ہوا

تؤخذ من اغنیاء ھم وترد الی	زکوٰۃ مسلمانوں کے مال داروں سے لی جائے
الی فقراء ھم حتیٰ لا تکون دولۃ	اور ضرورت مندوں کو دے دی جائے
بین الاغنیاء	تاکہ دولت مال داروں میں دائر سائر ہو کر نہ رہ جائے ۔

یہ جو کچھ آپ نے سنا اس کا حاصل یہ ہے کہ اسلام میں دولت بذات خود مقصود و مطلوب نہیں ہے ۔ بلکہ وہ انسان کی معاشی ضرورتوں کی تکمیل کا ذریعہ اور وسیلہ ہے، اس بنا پر اس کو اسی حیثیت میں رکھنا چاہئے، عربی میں ایک مقولہ ہے: المال غاد و سائحؒ: اقبال نے اس کا ترجمہ یوں کیا ہے " تن کی دنیا چھاؤں ہے آتا ہے دھن جاتا ہے دھن"
اس بنا پر دولت کو مقصود بالذات سمجھ کر اس سے محبت کرنا اور اوس سے دل لگانا اسلام میں سخت مذموم اور قبیح و شنیع فعل ہے: ۔ چنانچہ قرآن مجید میں فرمایا: ۔

وَاِنَّہٗ لحب الخیر لشدید ہ افلا یعلم	اور انسان دولت کی محبت میں بہت سخت ہے
اذا بُعثر ما فی القبور ہ وحُصِّلَ ما فی	کیا اسے یہ بات معلوم نہیں کہ کل، جب مردے
الصدور ہ اِنَّ رَبَّھُمْ بِھِمْ یومئذٍ	قبروں سے اٹھائے جائیں گے اور سینوں کے
لَخَبِیْرٌ ہ	پوشیدہ بھید آشکارا ہو جائیں گے اوس روز ان کا رب ہی تو ہوگا جو ان سے باخبر ہوگا ۔

سورۃ الفجر میں نہایت سخت وعید کے طور پر ارشاد ہوا ۔

كلّا بل لا تكرمون اليتيم ۝ ولا تحضّون على طعام المسكين ۝ وتأكلون التراث اكلاً لمّاً ۝ وتحبون المال حبًّا جمًّا ۝

خبردار! تم لوگ تو نہ یتیم کا اکرام نہیں کرتے مسکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب ایک دوسرے کو نہیں دیتے، مرنیوالوں کا ترکہ اناپ شناپ اڑاتے ہو اور دولت سے بہت ہی محبت کرتے ہو۔

سرمایہ داری کے چور دروازے

مال کی محبت اور اوس کے لالچ کے علاوہ سرمایہ داری کے دو بڑے اسباب جن کو اوس کے چور دروازے کہنا چاہئے یہ ہیں: (۱) حصول زر میں بے اعتدالی اور جائز و ناجائز، حلال اور حرام کے امتیاز کا فقدان اور (۲) صرف زر کے معاملہ میں خود غرضی، دکھاوا، عیاشی اور ترفع کے جذبہ سے بے اعتدالی اور فضول خرچی، اسلام نے ان دونوں چور دروازوں کو بھی نہایت سختی سے بند کر دیا ہے۔

ذرائع آمدنی

اسلام کا ہر طالب علم جانتا ہے کہ قرآن وحدیث میں صحابۂ کرام کے اقوال و ارشادات میں اور اکابر صوفیا و مشائخ کے ملفوظات و نصائح میں کسبِ حلال اور کسبِ حرام سے بچنے کی بار بار کس قدر سخت تاکید ہے، اور کسب حرام کے بارہ میں کس درجہ شدید وعید ہے، اس عام اور مطلق حکم کے علاوہ ناجائز اور حرام ذرائع آمدنی کی تعیین تشخیص بھی کر دی گئی ہے، اس سلسلہ میں سب سے اہم وہ آیت ہے جس میں سود کو حرام قرار دیا گیا ہے۔ ارشاد ہوا:-

اَحَلَّ اللّٰہُ البیعَ وحرّمَ الربوا

اللہ نے بیع کو حلال اور ربوا کو حرام قرار دیا

کم لوگوں نے اسے محسوس کیا ہے کہ اگرچہ لفظوں کے اعتبار سے یہ ایک نہایت مختصر آیت ہے، لیکن درحقیقت مالی لین دین (FINANCIAL TRANSACTIONS) کے بارہ میں نہایت جامع اور نہایت وسیع المعانی والحقائق آیت ہے ربوا کے معنی فضل یعنی زیادتی ہیں اس بنا پر اس آیت کے صاف و صریح اور واضح معنی یہ ہیں کہ لین

دین کا معاملہ جس میں کوئی غل وغش نہ ہو اور جسے عرف عام میں "بیع" کہتے ہیں۔ اللہ نے اوس کو حلال کیا ہے، لیکن اس سے ہٹ کر ہر وہ معاملہ جو صاف نہ ہو اور اوس میں کوئی کھوٹ ہو۔ مثلاً اوس میں استحصال (Exploitation) دہوکہ (Cheating) فریب، بے یقینی، فساد انگیزی، اور بد اخلاقی پائی جائے، یہ سب معاملات ربوا کے تحت آتے ہیں۔ اور اللہ نے ان کو حرام قرار دے دیا ہے، چنانچہ ایک حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ربوا کی ۷۳ قسمیں ہیں، اور ظاہر ہے کہ یہ عدد حصر عدد معین کے لئے نہیں ہے، مراد یہ ہے کہ بہت قسمیں ہیں، حافظ ابن حجر نے بلوغ المرام کے کتاب البیوع کے ماتحت ان احادیث کا استقصا کیا ہے۔ فقہ کی اصطلاح میں جسے غبن فاحش یعنی نفع معتاد سے زیادہ نفع خوری وہ بھی ربوا کے ذیل میں آتا ہے۔ علاوہ ازیں اسمگلنگ، ذخیرہ اندوزی چور بازاری وغیرہ یہ سب اسلام میں حرام ہیں۔ اور ان کے متعلق نہایت شدید وعیدیں ہیں، اسلام میں استحصال (Exploitation) کی ممانعت کے حدود کتنے وسیع ہیں اوس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اگر کسی ایک معین کام کی محنت مزدوری مقرر ہو، لیکن ایک مزدور اوس سے کم پر محض اس لئے رضامند ہو جائے کہ آج دن بھر وہ خالی رہا ہے تو حضرت شاہ ولی اللہ رح کے نزدیک، ایک مسلمان کے لئے، مزدور کی رضامندی کے باوجود، مقررہ مزدوری سے کم دینا ناجائز ہے، کیونکہ اس صورت میں ایک شخص کی مجبوری سے فائدہ اٹھانا پایا جاتا ہے۔؟

صرف دولت کے مواقع اخراجات کی دو قسمیں ہیں ایک ذاتی مصارف یعنی وہ اخراجات جو ایک انسان اپنی ذات اور متعلقین کے لئے کرتا ہے اور دوسرے قومی و اجتماعی جنھیں ایک شخص قومی و اجتماعی مقصد سے کرتا ہے۔ جہاں تک پہلی قسم کا تعلق ہے اسلام کا حکم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو دولت دی ہے۔ تو اوس کو اپنی منفعت اور راحت پر اچھی طرح خرچ کرو۔ کھانا پینا، لباس، مکان اور دوسرے امور زندگی پر خرچ کرنے میں بخل نہ کرو۔

فرمایا گیا - واما بنعمة ربک فحدث :- اللہ کی نعمتوں کا اظہار کرو، لیکن قرآن کا حکم ہر معاملہ میں اعتدال و میانہ روی کو ملحوظ رکھنے اور اسراف و تبذیر (اندھا دھند خرچ) سے احتراز و اجتناب کرنے کا ہے، فرمایا گیا :-

کلوا واشربوا ولا تسرفوا   کھاؤ، پیو اور فضول خرچی نہ کرو۔

فضول خرچی کرنے والوں کو شیطان کا بھائی کہا گیا ہے : المبذرین کانوا اخوان الشیاطین پھر صرف اس عام اور ایک مطلق حکم پر اکتفا نہیں کیا گیا، بلکہ اکل و شرب، لباس، مکان، اور دوسرے ساز و سامان زندگی کے متعلق الگ الگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام کے ارشادات اور اقوال ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ان سب چیزوں کے بارہ میں کس درجہ اعتدال اور میانہ روی کی تعلیم دی گئی ہے، تاکہ امیر و غریب کے درمیان اقتصادی اور معاشی عدم توازن کی خلیج حائل نہ ہو، اسلام اگرچہ فردیت (INDIVIDUALITY) کا قائل ہے، لیکن فرد جماعت کا جزء ہے اور چونکہ جزء کے فساد سے کل کا فساد لازم آتا ہے اس بنا پر وہ فرد کو اس کی اپنی پرائیویٹ اور انفرادی زندگی میں بھی کسی ایسے کام کرنے کی اجازت نہیں دیتا جو جماعتی مفاد کے خلاف ہو بلکہ ایک مسلمان کی شان تو یہ ہے کہ جائز اور مباح امور میں بھی اس کی معاشرت کا انداز عام مسلمانوں سے نمایاں اور ممتاز نہ ہو، چنانچہ فتوح البلدان بلاذری میں ہے کہ خلافت فاروقی کے زمانہ میں ایک مرتبہ کوفہ کے گورنر عتبہ بن غزوان مدینہ آئے تو حضرت عمر کی خدمت میں کوفہ کا ایک خاص قسم کا حلوہ خبیص کہتے تھے بطور تحفہ پیش کیا تو حضرت عمر نے پوچھا یہ کیا ہے؟ عتبہ نے کہا یہ کوفہ کا ایک خاص حلوہ ہے خلیفہ دوم نے پھر دریافت کیا: "کیا یہ سب مسلمان کھاتے ہیں؟" جواب ملا: "جی نہیں! اسے تو امراء ہی کھا سکتے ہیں"، یہ سنکر حضرت عمر برہم ہو گئے اور حلوہ کو پرے رکھتے ہوئے فرمایا۔ خدا کی قسم! ہم صرف وہی چیز کھائیں گے جسے سب مسلمان کھاتے ہیں۔

الکامل للمبرد میں ہے کہ "ایک مرتبہ شام کے گورنر امیر معاویہ کو حضرت عمر نے خط لکھا تو اوس میں بہ طور تنبیہ تحریر فرمایا:- اچھا! مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم نے رومیوں کے دیکھا دیکھی عیش وعشرت کی زندگی بسر کرنی شروع کر دی ہے، چنانچہ اب تم وہاں چٹنیاں، اچار اور مربے کھانے لگے ہو، علاوہ ازیں حضرت عمر نے بیت المقدس کے سفر میں ایک سواری پر باری باری سے سوار ہونے کا جو معاملہ اپنے غلام کے ساتھ کیا ہے وہ تو دنیا جانتی ہی ہے۔

اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ اسلام بدوی یا دیہاتی زندگی کو پسند کرتا ہے اور شہری متمدن اعلیٰ زندگی کو پسند نہیں کرتا، بلکہ اسلام کا منشا یہ ہے کہ مسلمانوں کو اپنی تہذیب و تمدن کا معیار اونچا کرتے رہنا چاہئے، البتہ امیر و غریب کے درمیان نمایاں فرق و امتیاز نہیں ہونا چاہئے، جیسا کہ آج کل روس، امریکہ اور یورپ میں ہے۔

<u>قومی و ملی اخراجات</u> | اب ذاتی اور خانگی مصارف زر کے علاوہ قومی اور اجتماعی مصارف کو دیکھئے جن کا اسلام میں حکم ہے! آپ کو معلوم ہے، اسلام میں زکوۃ ایسی ہی فرض ہے جیسا کہ نماز، اسی وجہ سے قرآن مجید میں دونوں کا ذکر ساتھ ساتھ ہے، یہ ۲½ فی صد ٹکس سونا چاندی اور روپیہ پیسہ ہر ایک پر، جانوروں پر زکوۃ کی شرح الگ ہے، زرعی پیداوار پر عشر یعنی $\frac{1}{10}$ واجب ہے، وہاں ۲½ فی صد اور یہاں $\frac{1}{10}$! یہ فرق صاف طور پر اس کی غمازی کر رہا ہے کہ اسلام "زمینداری ——— (Land Lordism) کو دبا رہا ہے پھر اسلام نے قانون وراثت کے ذریعہ دولت کو ایک ہی جگہ مجتمع ہونے سے روکا اور اسے افراد خاندان میں منتشر کر دیا ہے، یہ تو وہ فرائض و واجبات ہیں جن سے کوئی مسلمان، سرتابی اور انحراف نہیں کر سکتا، اس کے علاوہ دسیوں قسم کے صدقات و خیرات ہیں جن کا حکم جگہ جگہ ہے، قرآن مجید میں انفاق - فی سبیل اللہ یعنی اللہ کا حکم جس شد و مد اور تکرار سے ہے اس کو ہر مسلمان جانتا ہے۔ "فی سبیل اللہ" یعنی اللہ کے راستہ میں" کا مفہوم

ہایت وسیع جامع ہے۔ دنیا کا کوئی مصرف خیر ایسا نہیں ہے جو اس سے خارج ہو۔
نانچہ قرآن میں اگرچہ مصارف خیر کا ذکر فرداً فرداً بھی ہے، مثلاً عزیز قریب، فقرا اور
ساکین، قیدی اور مسافر وغیرہم لیکن "و فی اموالکم حق معلوم للسائل والمحروم"
رما کر مذہب اور رنگ ونسل کے امتیاز کے بغیر دنیا کے سب ہی ضرورت مند؛ ن اور
مداد کے مستحق لوگوں کا حق مسلمانوں کی دولت میں مقرر کر دیا ہے، اس کا مطلب یہ
ہے کہ دولت جس قدر بڑھتی جاتی ہے اس میں حقوق بھی اسی رفتار سے بڑھتے جاتے
یں، اور اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ بڑے سے بڑے دولت مند کے پاس صرف اس قدر دولت
رہ جائے گی جو اس کی ضرورتوں کے لئے کافی ہو، اسی مضمون کو ایک دوسری آیت
یں اس طرح بیان کیا گیا:

یسئلونک ماذا ینفقون ○ قل العفوہ — اے پیغمبر! لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ ہم کیا خرچ کریں، آپ کہہ دیجئے: جو تمہاری ضرورتوں سے زائد ہو وہ سب کچھ۔

اسی بنا پر حضرت عمرو بن العاص نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی دولت
پر حقوق اس کثرت سے عائد کر دیئے ہیں کہ دولت کبھی جمع رہ نہیں سکتی اور وہ ہمیشہ دائر
سائر رہے گی اور یہی اسلام کا مدعا اور مقصد و منشا ہے۔

اب تک آپ نے جو کچھ سنا اس کا حاصل یہ ہے کہ اسلامی احکام و تعلیمات کی
رو سے (۱) دولت کو خیر کہا گیا ہے اور اس کو حاصل کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔
(۲) دولت کی کوئی حد (CIELLING) مقرر نہیں کی گئی۔
(۳) کائنات اور اس کی ہر چیز کا مالک حقیقی اللہ تعالیٰ ہے۔ کسی کے پاس جو کچھ ہے
وہ بطور امانت ہے اس لئے کسی شخص کو اپنی "مملوکہ" چیز میں بھی اللہ کے حکم اور اس
کی مرضی کے خلاف من مانا تصرف کرنے کا حق نہیں ہے۔

(۴) سب انسان برابر ہیں، وسائل معیشت جو اللہ کی نعمتیں ہیں سب کے لئے یکساں ہیں، اون میں کسی کی اجارہ داری نہیں ہو سکتی،

(۵) دولت کے حصول اور اوس کے خرچ کے جو طریقے بیان کئے گئے اور اس سلسلہ میں جو احکام اور ہدایات دے گئے ہیں اون کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دولت منجمد نہ رہے اور وہ انسانی معاشرہ میں گھومتی پھرتی رہے تاکہ سوسائٹی میں اقتصادی اور معاشی توازن قائم و برقرار رہے :-

عزیزان من! اب ان سب چیزوں کو پیش نظر رکھکر غور کیجئے کہ سوشلزم اپنے بنیادی مقاصد کے اعتبار سے اسلام کے انتظام معاشیات سے کسی درجہ قریب ہے! البتہ دونوں میں نہایت اہم اور بنیادی فرق دو ہیں -

(۱) ایک یہ کہ سوشلزم کی بنیاد صرف مادی قدروں اور انسان کی جسمانی زندگی کی ضرورتوں اور اون کے مطالبات پر ہے، اس کے برخلاف اسلام کی تعلیمات کی اساس انسانی زندگی کی مادی اور دنیوی قدروں کے ساتھ اوس کی روحانی اور اخروی قدروں پر بھی ہے - اس بنا پر اسلامی تعلیمات میں جو استحکام، بلند نظری اور نفوذ و اثر کی جو صلاحیت اور استعداد ہے وہ سوشلزم میں نہیں -

(۲) دوسرا فرق یہ ہے کہ اس سلسلہ میں اسلام کی تعلیمات بہت سی ایسی ہیں جو اخلاقی حیثیت رکھتی ہیں اور اون کو سوشلزم میں قانونی حیثیت دے دی گئی ہے اسلام میں ان تعلیمات کے اخلاقی ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اسلام ہر اوس شخص سے جو عقیدہ اور اور عمل کے اعتبار سے ایک سچا مسلمان ہو توقع کرتا ہے کہ وہ خود، ریاست کے جبر اور دباؤ کے بغیر ان تعلیمات پر عمل کرے گا، لیکن اگر معاشرہ میں فساد پیدا ہو جائے اور لوگ مباحات کا ناجائز استعمال کرنا شروع کر دیں تو اسلام اسٹیٹ کو یہ حق دیتا ہے کہ وہ ان اخلاقی تعلیمات کو قانونی شکل دیدے، جیسا کہ حضرت عمر نے متعدد معاملات میں کیا۔

اس پر ایک طالب علم نے کہا: آپ نے جو کچھ فرمایا بالکل بجا اور درست ہے، لیکن جب
کہ ہیگل، مارکس اور لینن نے لکھا ہے۔ سوشلزم ملکیت کی نفی کرتا ہے اور اس میں
کا گذر کہیں نہیں ہے، اس بنا پر اسلام کے معاشی نظام کے لئے سوشلزم کا لفظ بولنا
کیونکر صحیح ہوسکتا ہے۔ میں نے جواب دیا۔ الفاظ اور اصطلاحات میں عملِ تجرید برابر
جاری رہتا ہے۔ یعنی جب ایک لفظ کسی خاص ماحول اور سوسائٹی میں پیدا ہوتا ہے
تو اوس کے خاص متعلقات اور مناسبات ہوتے ہیں، لیکن وقت گذرنے کے ساتھ
جب وہ لفظ کسی دوسرے ماحول میں پہونچتا ہے تو اوس کے مفہوم میں کتر بیونت شروع
ہوجاتی ہے اور اوس کا مفہوم بعینہٖ وہ باقی نہیں رہتا جو ابتداءً واضع لفظ و اصطلاح
کے ذہن میں تھا۔ مثلاً سکولرزم کی اصطلاح یورپ میں اینٹی چرچ (مخالف مذہب)
کے معنی میں ایجاد ہوئی تھی لیکن آج یہ اصطلاح ایشیا اور افریقہ کے اکثر ممالک میں رائج ہے
اور وہاں اس کے معنی ہیں "سب مذاہب کے ساتھ یکساں سلوک کرنا۔ اسی طرح یورپ میں
ڈیماکریسی (جمہوریت) کا جو مفہوم ہے وہ اوس مفہوم سے مختلف ہے جو اسلام میں ہے
لیکن آج مسلمان ممالک نے بھی اس پارلیمنٹری طریق حکومت کو اپنا لیا ہے اور اوس
کے لئے بے تکلف جمہوریت کا لفظ بولتے ہیں، یہ نہ بھولنا چاہیئے کہ الفاظ اور اصطلاحات
خواہ کسی قوم کی ایجاد ہوں، اون پر دنیا کے تمام انسانوں اور قوموں کا یکساں حق ہے
وہ کسی ایک خاص قوم کی میراث نہیں ہوسکتے، مسلمانوں نے اپنے علمی عروج و ترقی
کے دور میں تہذیب و تمدن میں اور ہر علم و فن میں ہزاروں نئے الفاظ اور اصطلاحات
ایجاد کیں، اور آج وہ الفاظ اور اصطلاحات معنی اور مفہوم میں کم و بیش تغیر و تبدل
کے ساتھ یورپ اور دوسرے ممالک میں رائج ہیں اس بنا پر جب آج ہم نے تہذیب
و تمدن اور علوم و فنون میں ترقی یافتہ ممالک کے ایجاد کردہ ہزاروں الفاظ اور
اصطلاحات قبول کی ہیں، اگر ہم اپنے معاشی نظام کے لئے بھی سوشلزم کی اصطلاح

قبول کرلیں اور اوس کو اپنے مخصوص معنی اور مفہوم میں استعمال کریں اور اوس کو متعین اور واضح کرنے کے لئے اس کے ساتھ "اسلامک" کا لفظ بھی لگا لیں۔ جیسا کہ متعدد عرب ممالک کررہے ہیں تو میں نہیں سمجھتا کہ اس میں کیا قباحت ہے۔ [۱]

اس میں کوئی شبہ نہیں ہوسکتا کہ اسلام بجائے خود نہایت مکمل دستورِ حیات اور نظامِ زندگی ہے اور اس بنا پر اوس کے ساتھ کسی ازم کے دم چھلا لگانے کی ضرورت ہرگز نہیں ہے لیکن بدقسمتی سے سلمان دولت مندوں، رئیسوں اور امیروں نے اسلام کے اس پہلو کو جس طرح مسخ اور برباد کیا ہے، اوس کے پیش نظر اسلام کے معاشی نظام کے اس وصف خاص کو نمایاں کرنے کی غرض سے یہ اصطلاح استعمال کی جائے تو اس میں کوئی قابل اعتراض چیز نہیں ہے۔

وقت کافی ہوگیا تھا۔ مجھے ایک دور جگہ لنچ پر جانا تھا۔ اس لئے میں نے اٹھنے کا ارادہ کیا تو سب نے میرا شکریہ ادا کیا۔ ایک طالب علم نے کہا: آپ نے تو پبلک میں تقریر کرنے کی قسم ہی کھا رکھی ہے۔ ہم سے بڑی چوک ہوگئی۔ ٹیپ رکارڈنگ مشین لیکر نہیں آئے، ورنہ ساری تقریر رکارڈ کرلیتے اور ایک جلسہ کرکے لوگوں کو سنا دیتے۔ ایک دوسرے نے کہا: آپ سے گفتگو تو بہت سارے امور پر کرنی تھی۔ لیکن آپ بہت عدیم الفرصت ہیں اس لئے کچھ اصرار بھی نہیں کرسکتے، البتہ پاکستان میں اسلامی نظام حکومت کا مسئلہ بھی بہت زور شور سے چلا ہوا ہے۔ مختصر ہی سہی اگر آج یا کل کسی وقت آپ اس پر بھی اظہار خیال فرمائیں تو ہم آپکے بڑے شکرگذار ہوں گے: میں نے کہا: بہت اچھا! آج مغرب کے بعد فوراً آجایئے میں آپکو صرف ایک گھنٹہ دے سکتا ہوں۔ آٹھ بجے ڈنر پر ایک جگہ جانا ہے۔ سب نے خوش ہوکر کہا: ضرور ضرور! شکریہ اور وہ چلے گئے۔ لڑکیاں ٹھہر گئیں (الباقی یا قی)

---

[۱] علما کا فرض ہے کہ وہ اسلامک سوشلزم کے قانونی امکانات کی اجتہاد کے ذریعہ تعیین و تشخیص کریں اور اس سلسلہ میں عہدِ جدید کے ترقی یافتہ اقتصادی اور معاشی نظریات اور اون کے اداروں سے فائدہ اٹھائیں۔